OPENACCESS
Al-Azvā الاضواء
ISSN 1995-7904 ;E 2415-0444
Volume 40, Issue, 64, 2025
www.aladwajournal.com

اسلامی نظام معاشرت میں قانونی وانتظامی عدم استحکام، اضمحلال کا جائزہ

Overview of Legal and Administrative Instability in Islamic System of Governance

Sumbal Ashraf
Assistant Professor, Department of Islamic Studies,
Lahore College for Women University, Lahore

Abstract

The Islamic government needs the Qur'an in the legislature, which is the word of Allah almighty and is a comprehensive book that distinguishes between right and wrong. It is a book, which is featured by the sense of inspiration, which holds the righteous guidelines of humanity, establishing justice, legalizing society and resolving differences, with acting upon it. In the concept of social justice, the law is the basic principle, which propagates this concept after beliefs, faith and spiritual training. If there is any swing in the formulation of the law, then this concept is not possible in its original form. All the main sources of Islamic Customs of Governance are in writing. The Quran is present in its original format and all the contents of the Sunnah of the Holy Prophet (peace be upon him) and materials pertaining to interactive caliphate of Rashidain are contained in the books. Mujtahidin's views of the Ummah are also found in reliable books, none of them is extinct. But there are still some complications and difficulties in extracting the rules from this source in writing and documenting them into a writing constitution that needs time to overcome.

KEYWORDS

Law Enforcement Defects; Difficulties in Law Making; Administrative Defects; Official Affiliation in Islam; Formulation of Law.

Date of Publication:
30-12-2025

اسلامی نظام معاشرت میں نظام حیات کے تمام شعبوں میں عدل اجتماعی (عدل اجتماعی سارے سماجی نظام پر حاوی ہے جس کے ذریعے معاشرے کے تمام عناصر، روزگار، دولت کی مساویانہ تقسیم، استحکام، سیاسی حقوق، تعلیم کے مواقع، صحت کی سہولیات وغیرہ کے حصول کے یکساں مواقع میسر ہوتے ہیں اور معاشرہ بلا تفریق مذہب، نسل، ملت، ہر تعصب سے بالاتر ہو کر ایک مہذب زندگی کی عکاسی کرتا ہے۔) کا اطلاق نہایت ضروری ہے اس کے اطلاق سے ہی معاشرہ فلاح و ترقی کی راہ پر گامزن ہوتا ہے۔ ہم اس بات کا جائزہ لیں گے کہ اگر نظام معاشرت کے قانونی وانتظامی شعبہ جات میں عدل اجتماعی کا فقدان ہو تو پھر کیا نتائج بر آمد ہوں گے۔

قانونی انتظامی نقائص:

اسلامی حکومت اپنی حکمت عملی کے قلمرو میں ایک مکمل، بلند و برتر تحریری مجموعہ قوانین (قرآن کریم) کی پابند ہے یہ قانون کائنات کے خالق (فرمانروائے اعلیٰ) کی طرف سے بصورت محکم نازل ہوا اور الہام کی قوت سے فیضیاب ہے۔ یہی وہ اساسی قانون ہے جو حکومت کی روح اور حاکمیت کے پسندیدہ ضابطوں کی جان ہے انسانیت عامہ کی صحیح رہنمائی، انصاف کا قیام، معاشرہ کی قانونی شیرازہ بندی کرنا اور اختلافات کو مٹانا اس کا کام ہے۔ انسانی حقوق کے بارے میں فیصلہ کرنا اور سیاست و سلطنت ربانی کے مطمع نظر کو نافذ کرنا اس کی ذمہ داری ہے۔ اسلام کا قانون ایک وحدانی قوت کا مالک ہے یہ ایک مرکز واحد اور ذات واحد کی طرف سے عائد ہوتا ہے اسلامی حکومت کے دائرہ میں قانون سنت، قانون صحابہ، قانون شوریٰ، قانون امانت (قائد حکومت کے کے جاری کردہ قانون) اجتماع امت اور سوادِ اعظم کے آئینی فیصلوں کو بھی قانون کی حیثیت حاصل ہے لیکن اس سے اسلام کے اصل قانون (قرآن کریم) کے وحدانی حق پر کوئی مخالف اثر نہیں پڑتا کیونکہ سب صورتوں میں قانون اور اس کا سرچشمہ ایک ہی ہے۔[1]

عدل اجتماعی کا جو بھی فلسفہ اور تصور ہے عقائد، ایمانیات اور روحانی تربیت کے بعد قانون ہی وہ بنیادی اساس ہے جو کہ اس نظریئے کا اطلاق کرتا ہے اگر قانون کی تشکیل میں ہی کوئی جھول رہ جائے تو پھر اس تصور کا بھی اپنی اصل شکل میں اطلاق ممکن نہیں رہتا۔ اس قانون کا عملی نفاذ حضور نبی کریم ﷺ کے مبارک دور اور اس کے بعد خلفائے راشدین کے ادوار میں بھی رہا جس سے انسانی تاریخ کو سب سے روشن اور بہترین ادوار ملے۔

اس قانون کے بنیادی ماخذ تو قرآن، سنت اور اجماع امت ہی ہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ جوں جوں معاشرہ تدریجی ترقی کرتا ہے اس ترقی کے پیش نظر فقہاء قانون سازی کرتے ہیں یعنی بنیادی ماخذوں کی ہی مزید تشریح، تعبیر اور تاویلات کرتے ہیں۔ ہر دور کے فقہی اور قانون ساز کو سابقہ ادوار کی تدریجی ترقی اور قانون سازی میں تدریجی ارتقاء سے کلی واقفیت ضروری ہے تاکہ وہ یہ سمجھ سکے کہ ایک فقہی کس طرح حالات کے پیش نظر قانون سازی میں اس طرح تبدیلی کرتا ہے اور قرآنی روح بھی برقرار رہتی ہے۔[2]

قانون سازی میں مشکلات:

جہاں تک اسلامی دستور مملکت کے بنیادی ماخذ کا تعلق ہے یہ سب تحریری شکل میں موجود ہیں قرآن کریم اپنی اصل حالت میں اور سنت رسول ﷺ، تعامل خلفائے راشدین کے متعلق سارا مواد کتابوں میں موجود ہے۔ مجتہدین امت کی آراء بھی معتبر کتابوں میں مل جاتی ہیں ان میں سے کوئی بھی چیز منقود ہے نہ نایاب لیکن اس کے باوجود ان ماخذوں سے اس غیر تحریری دستور کے قوائد اخذ کر کے ان کو تحریری دستور کی شکل دینے میں چند مشکلات اور دقتیں حائل ہیں مثلاً :

1: اصطلاحات کی اجنبیت:

سب سے پہلی دقت زبان کی ہے قرآن، حدیث اور فقہ میں دستوری احکام کو بیان کرنے کے لئے جو اصطلاحات استعمال ہوئی ہیں وہ اب بالعموم لوگوں کے لئے ناقابل فہم ہوگئی ہیں کیونکہ ایک مدت دراز سے ہمارے ہاں اسلام کا سیاسی نظام معطل ہو چکا ہے اور ان اصطلاحوں کا چلن نہیں رہا۔ قرآن مجید میں بہت سے الفاظ ایسے ہیں کہ جن کی ہم روزانہ تلاوت کرتے ہیں مگر یہ نہیں جانتے کہ یہ دستوری اصطلاحات ہیں مثلاً سلطان، ملک، حکم، امر، ولایت وغیرہ۔ ان الفاظ کے صحیح دستوری مفہوم کو عربی میں بھی کم لوگ سمجھتے ہیں اور ترجمہ میں منتقل ہو کر ان کا سارا مطلب خبط ہو جاتا ہے۔

2: قدیم فقہی لٹریچر کی نامانوس ترتیب:

دوسری دقت یہ ہے کہ ہمارے فقہی لٹریچر میں دستوری مسائل کہیں الگ ابواب کے تحت یکجا بیان نہیں کئے گئے بلکہ دستور اور قوانین ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط ہیں۔ قانون سے الگ دستور کا جداگانہ تصور بہت بعد کے زمانے کی پیداوار ہے بلکہ خود لفظ دستور کا استعمال بھی اپنے جدید معنوں میں ابھی حال ہی میں شروع ہوا ہے البتہ ان مسائل پر جنھیں اب ہم دستوری مسائل کہتے ہیں تمام فقہائے اسلام نے بحث کی ہے مگر ان کی بحثیں ہم کو فقہی کتابوں کے اندر مختلف قانونی ابواب میں بکھری ہوئی ملتی ہیں۔ ایک مسئلے پر کتاب القضاء میں بحث کی ہے، تو دوسرے پر کتاب الامارات میں، ایک کتاب السیّیر (مسائل صلح وجنگ کی کتاب)، تو دوسرا کتاب النکاح وطلاق میں، ایک مسئلہ کتاب الحدود (فوجداری قانون کی کتاب) میں، تو دوسرا کتاب الفے (پبلک فنانس کی کتاب) میں، بیان ہوا ہے۔ پھر ان کی زبان اور اصطلاحات آج کل کی رائج اصطلاحوں سے اس قدر مختلف ہیں کہ جب تک کوئی شخص قانون کے مختلف شعبوں اور ان کے مسائل پر کافی بصیرت نہ رکھتا ہو اور پھر عربی زبان سے بھی بخوبی واقف نہ ہو اس کو یہ پتہ نہیں چل سکتا کہ کہاں قانونِ ملکی کے درمیان قانونِ بین الاقوامی کا کوئی مسئلہ آگیا ہے اور کہاں پر سنل لاء کے درمیان دستوری قانون کے کسی مسئلے پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ پچھلی صدیوں کے دوران میں ہمارے بہترین قانونی دماغوں نے غایت درجہ بیش قیمت ذخیرہ چھوڑا ہے مگر آج ان کی چھوڑی ہوئی میراث کو چھان پھٹک کر ایک

ایک قانونی شعبے کے مواد کو الگ الگ کرنا اور اسے منقح صورت میں سامنے لانا ایک بڑی دیدہ ریزی کا کام ہے جس کے لئے موجودہ نسلیں، جنھوں نے مدتوں سے دوسروں کے پس خوردہ پر قناعت کرلی ہے مشکل سے ہی آمادہ ہوسکتی ہیں بلکہ ستم یہ ہے کہ آج وہ اپنی اس آبائی میراث کو بغیر جانے حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

3: نظام تعلیم کا نقص:

ایک اور بڑا نقص یہ ہے کہ ہمارے ہاں ایک مدت سے بہت ناقص تعلیم دی جارہی ہے جو لوگ دینی علوم پڑھاتے ہیں موجودہ زمانے کے علم سیاست اس کے مسائل، دستوری قانون اور اس سے تعلق رکھنے والے معاملات سے بیگانہ ہیں۔ اس لئے وہ قرآن، حدیث اور فقہ کے پڑھانے اور سمجھنے میں تو ساری عمر گزار دیتے ہیں مگر ان کے لئے اس وقت کے سیاسی دستوری مسائل کو آج کل کی زبان میں سمجھنا اور پھر ان کے بارے میں اسلام کے اصول و احکام کو وضاحت کے ساتھ بیان کرنا سخت مشکل ہوتا ہے وہ اس بات کے محتاج ہیں کہ ان کے سامنے یہ مسائل اس زبان اور ان اصطلاحوں میں پیش کئے جائیں جنھیں وہ سمجھتے ہیں پھر وہ آسانی کے ساتھ بتاسکتے ہیں کہ ان کے بارے میں اسلام کے کیا احکام اور کیا اصول ہیں اور وہ کہاں کہاں بیان ہوئے ہیں۔ دوسری طرف ہمارے جدید تعلیم یافتہ لوگ جو عملاً ہمارے تمدن، سیاست اور قانون، عدالت کا نظام سنبھالے ہوئے ہیں یہ لوگ زندگی کے جدید مسائل سے تو واقف ہیں مگر وہ نہیں جانتے کہ ان کا دین ان مسائل کے بارے میں کیا رہنمائی دیتا ہے۔ وہ دستور، سیاست اور قانون کے متعلق جو کچھ بھی جانتے ہیں وہ مغربی تعلیمات اور مغرب کے عملی نمونوں ہی کے ذریعے سے جانتے ہیں۔ قرآن، سنت اور اسلامی روایات کے بارے میں ان کی معلومات بہت محدود ہیں اس لئے ان میں سے جو لوگ واقعی نیک نیتی کے ساتھ اسلامی نظام معاشرت کا از سر نو احیاء چاہتے ہیں وہ بھی اس بات کے محتاج ہیں کہ کوئی ان مسائل کے بارے میں اسلام کی ہدایات انھیں ان کی زبان میں سمجھائے یہ ایک بہت بڑی پیچیدگی ہے جو کہ صحیح معنوں میں اسلامی دستور کی تدوین میں حائل ہورہی ہے۔[3]

4: اجتہاد بلا علم کا دعویٰ:

سیّد مودودی لکھتے ہیں کہ ہمارے معاشرے میں پچھلی دو دہائیوں سے ایک طرزِ فکر زور پکڑتا جارہا ہے کہ اسلام میں "پریسٹ ہڈ" نہیں ہے قرآن، سنت اور شریعت پر "مُلّا" کا اجارہ نہیں ہے کہ بس وہی ان کی تعبیر کرنے کا مجاز ہو جس طرح وہ تعبیر احکام اور اجتہاد، استنباط کرنے کا حق رکھتا ہے اسی طرح باقی تمام لوگ بھی یہ حق رکھتے ہیں اور کوئی وجہ نہیں کی دین کے معاملے میں ملّا کی بات ہماری بات سے زیادہ وزنی ہو اور یہ باتیں وہ لوگ کرنے لگ گئے ہیں جو نہ تو قرآن و سنت کی زبان سے واقف ہیں اور نہ ہی اسلامی روایات پر ان کی نگاہ ہے اس کے علاوہ نہ ہی اپنی زندگی کے چند روز انھوں نے اسلام کے تحقیقی مطالعے میں صرف کئے ہیں۔

بے شک اسلام میں پریسٹ ہڈ نہیں ہے مگر اعتراض کرنے والوں کو تو اس بات کا مطلب تک معلوم نہیں ہے۔اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ اسلام میں نہ تو بنی اسرائیل کی طرح دین کا علم اور دینی خدمات کسی نسل اور کسی قبیلے کی میراث ہیں اور نہ یہ عیسائیوں کی طرح دین و دنیا میں تفریق کی گئی ہے کہ جس میں دین پادریوں کے حوالے اور دنیا قیصروں کے حوالے کر دی گئی ہو۔بلاشبہ اسلام میں قرآن و سنت اور شریعت پر کسی کا کوئی اجارہ نہیں ہے اور ملّا کسی نسل یا خاندان کا نام نہیں ہے جس کو دین کی تعبیر کرنے کا آبائی حق ملا ہو۔

اس بات کو سادہ سی مثال کے ساتھ یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ جس طرح ہر شخص قانون کی تعلیم حاصل کر کے وکیل اور جج بن سکتا ہے، کوئی بھی انجینئرنگ پڑھ کر انجینئر اور طب پڑھ کر ڈاکٹر بن سکتا ہے بالکل اسی طرح ہر شخص قرآن و سنت کے علم پر وقت اور محنت صرف کر کے مسائل شریعت میں کلام کرنے کا مجاز ہو سکتا ہے۔اسلام میں پریسٹ ہڈ نہ ہونے کا اگر کوئی معقول مطلب ہے تو یہی ہے کہ اسلام کو بازیچۂ اطفال نہ بنالیا جائے کہ جس کا جی چاہے اٹھ کر اسلام کے احکام و تعلیمات کے بارے میں ماہرانہ فیصلے کرنا شروع کر دے خواہ اس نے کتاب و سنت میں بصیرت پیدا کرنے کی کوشش تک نہ کی ہو۔الغرض علم کے بغیر اتھارٹی بننے کا دعویٰ اگر دنیا کے کسی دوسرے معاملے میں قابل قبول نہیں ہے تو آخر دین کے معاملے میں کیوں قبول کی جائے جو کہ سب سے اہم نوعیت کا معاملہ ہے۔[4]

5: فرقہ واریت:

ہمارے معاشرے میں اسلامی قانون سازی کی راہ میں فرقہ واریت بھی ایک رکاوٹ ہے کیونکہ ہر مکتبہ فکر کے علماء اپنی آراء کے مطابق قانون سازی پہ زور دیتے ہیں بنیادی عقائد و ایمانیات تو طے ہیں مگر معاملات زندگی کے بارے میں مختلف طبقہ فکر کی آراء ایک رکاوٹ ہیں۔حالانکہ اصولی طور پر تو اسلامی ریاست میں بغیر کسی اختلاف کے ایک ہی قانون تشکیل پانا چاہیئے جیسا کہ حضور اکرم ﷺ اور خلفائے راشدین کے ادوار میں تھا۔مگر آج بدقسمتی سے فرقہ واریت اس قدر بڑھ چکی ہے کہ دوسرے مکتبہ فکر کی بات تک سننا بھی گوارا نہیں کرتے یہ اور بات کہ فقہی اختلافات تو ہوتے ہیں اور ہونے بھی چاہئیں مگر یہ اختلاف علمی بنیادوں پر ہوتے ہیں فرقہ واریت کی بنا پر باہم نفرت پھیلانا اور ایک دوسرے کو کافر قرار دینا ہر گز علمی اختلاف نہیں ہے۔بہر حال ابھی جو اسلامی قوانین ہمارے ہاں نافذ ہیں ان میں کچھ قوانین ایسے ہیں جو باہم مختلف ہیں اور طبقہ فکر کے مطابق نافذ کئے جاتے ہیں مثلاً اہلِ تشیع کے لئے کچھ الگ قوانین موجود ہیں۔

تجاویز و حل:

اسلامی نظام معاشرت کی فلاح و ترقی اسلامی تصور عدل اجتماعی کے مکمل اطلاق میں ہی مضمر ہے اور اس کی پہلی بنیاد وہ قانون ہے کہ جس کے ذریعے معاشرے میں تمام احکامات نافذ کیے جائیں گے لہٰذا ان قوانین کی تشکیل

میں حائل تمام رکاوٹیں دور کرنی ضروری ہیں۔ یہ بات توطے ہے کہ یہ قوانین قرآن وسنت سے ہی مروجہ ہوں گے اور ان کی تشکیل میں حائل کچھ بنیادی مشکلات کا ذکر ابھی کیا گیا تو ان مشکلات کو ختم کرنے کے لئے ضروری ہے:

1: ہمارے موجودہ آئین میں یہ بات لکھی ہے کہ اقتدار اعلیٰ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو حاصل ہے اور ملک میں کوئی بھی قانون خلاف قرآن وسنت نہیں بنے گا۔ بنیادی بات توطے ہوگئی اب ضرورت اس امر کی ہے کہ اس اصولی بات کو اس کی روح کے مطابق نافذ کیا جائے۔

2: اچھے پڑھے لکھے اور جیّد علماء کرام کو قانون کی تشکیل سازی میں شامل کیا جائے۔

3: فقہ کی زبان اور اصطلاحات کو عام فہم بنایا جائے۔

4: تدریجی ترقی کے مطابق بنیادی ماخذوں کی تعبیر اور تاویلات کی جائیں۔

5: قانونی موشگافیوں میں پڑنے کی بجائے سادہ قوانین بنائے جائیں جو کہ مفاد عامہ وریاست کو مد نظر رکھ کر بنائے جائیں۔

6: قوانین سازی میں صرف اسلامی احکامات وتہذیب کی جھلک نظر آئے بین الاقوامی یا مغربی رنگ نظر نہیں آنا چاہیئے۔

7: فرقہ واریت کو بالائے طاق رکھ کر ایسے قوانین وضع کئے جائیں جو کسی مخصوص فقہی مسلک کے حق میں نہ ہوں بلکہ بغیر تفریق کے قرآن وسنت کے مطابق قانون سازی کی جائے۔

8: صرف وہی فقہ اور ان امام کی رائے قبول کی جائے جو قرآن وسنت کے زیادہ قریب معلوم ہو اس کے علاوہ قبولیت کا کوئی اور معیار نہیں ہونا چاہیئے۔

ایک بات اچھی طرح سے ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ ترقی اور کامیابی صرف اور صرف اسلامی قوانین سازی اور ان کے مکمل اطلاق میں ہے۔ آج کل بہت سے رنگین خواب دکھانے کی کوشش کی جارہی ہے جو کہ مغربی پروپیگنڈہ ہے کہ کچھ لوگ نام نہاد انسانی حقوق کے نام پر یہ دعویٰ کرتے ہیں فلاں اسلامی سزا ٹھیک نہیں ہے یا فلاں قانون کو تبدیل کیا جائے اس ایجنڈے کو پھیلانے میں سر فہرست یہ انسانی حقوق کی تنظیمیںN.G.Os ہیں جو کہ غیر ملکی پیسے پہ چلتی ہیں اور حد تو یہ ہے کہ ہمارا ایک دین سے نابلد طبقہ اس سوچ غیر فطری سوچ کی حمایت کرتا نظر آتا ہے اور اس کی دلیل میں بہت انسان دوستی جیسے نعرے بلند کئے جاتے ہیں جو کہ سراسر لفظوں کا کھیل اور دھوکہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ جو کہ اس کائنات کے واحد خالق ومالک ہیں نے صاف طور پہ ارشاد فرمایا:

﴿أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ يُعَذِّبُ مَن يَشَاء وَيَغْفِرُ لِمَن يَشَاء وَاللّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔﴾[5]

"کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آسمانوں اور زمین میں اللہ ہی کی سلطنت ہے؟ جس کو چاہے عذاب کرے اور جسے چاہے بخش دے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے"

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُوْلَئِكَ فِي الأَذَلِّينَ﴾[6]

"یقیناذلیل ترین لوگوں میں سے ہیں وہ لوگ جو کہ اللہ تعالیٰ اور ان کے رسول ﷺ سے مقابلہ کرتے ہیں"

انتظامی حامیاں:

اسلامی ریاست کے اہم اعضاء مقنّنہ، انتظامیہ اور عدلیہ ہیں اور ماضی قریب سے ایک اور جز جسے ان کے ساتھ چوتھا اہم ستون قرار دیا جانے لگا ہے وہ ذرائع ابلاغ ہے جس میں پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا دونوں شامل ہیں۔ جہاں تک انتظامیہ کا تعلق ہے تو عہدِ نبوی ﷺ اور خلافت راشدہ کے ادوار کے تعامل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جہاں تک سربراہ ریاست کا تعلق ہے وہ سربراہ ہونے کی حیثیت میں ان تمام اہم شعبوں کا سربراہ ہوتا تھا۔ یہی حیثیت حضور نبی کریم ﷺ کی اسلامی ریاست میں تھی بعد میں خلفائے راشدین کا بھی یہی مقام رہا۔ عصرِ حاضر میں یہ کام حیثیت صدر یا وزیر اعظم کو حاصل ہوتی ہے اور ان تینوں شعبوں میں بھی کچھ انتظامی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں اس کے علاوہ یہ تینوں شعبے ایک دوسرے سے الگ ہیں۔ اس زمانے میں اہل الحل والعقد الگ تھے جن کے مشورے سے خلافت راشدہ میں انتظامی معاملات بھی چلائے جاتے تھے اور قانونی مسائل کے فیصلے بھی کئے جاتے تھے، نظم و نسق کے ذمہ دار امراء الگ تھے جن کا قضاء (عدالت) میں کوئی دخل نہیں تھا اور قاضی (جج، مجسٹریٹ) الگ تھے جن پہ انتظامی ذمہ داریوں کا کوئی بوجھ نہ تھا۔ ملک کے اہم معاملات میں پالیسی بنانے یا انتظامی اور قانونی مسائل کو حل کرنے کی جن کبھی ضرورت پیش آتی خلفائے راشدین ہمیشہ اہل الحل والعقد کو بلا کر مشورہ کیا کرتے تھے اور جب مسئلہ کا حل نکل آتا تو پھر ان کا کام ختم ہو جاتا۔ انتظامی عہدہ داران خلیفہ کے ماتحت تھے وہی ان کو مقرر کرتا تھا اور اسی کے احکام کے مطابق وہ نظم ونسق چلاتے تھے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَأَمْرُهُمْ شُورَى بَيْنَهُمْ﴾[7]

"اور ان کا ہر کام آپس میں باہم مشورے سے ہوتا ہے"

عاملہ یا انتظامیہ کا کام ملک میں قوانین کا نفاذ کرنا اور عدلیہ کے احکامات کو عملی جامہ پہنانا ہے۔ انتظامیہ کے کام کی وسعت کی وجہ سے بہت سے محکمے اس کے زمرے میں آتے ہیں جن کے ذمہ مختلف فرائض کی انجام دہی ہے جیسا کہ ان کا ذکر کیا جاچکا ہے اب ان میں پائے جانے والے نقائص کا ذکر کیا جارہا ہے۔

1: محکمہ تعلیم:

﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُوْلُوا الْأَلْبَابِ﴾[8]

"کہو بھلا جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو نہیں رکھتے دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ اور نصیحت تو وہی پکڑتے ہیں جو عقلمند ہیں"

اسلامی نظام معاشرت کے تمام محکموں میں سب سے اہم محکمہ تعلیم ہے۔ کیونکہ تعلیم نبوت اولین مقاصد میں سے ہے اور کسی بھی معاشرے کی ترقی کا دارومدار تعلیم پر ہے۔ ہمارے محکمہ تعلیم میں بہت حد تک بگاڑ پیدا ہو چکا ہے جس کے باعث بہت سی برائیاں جنم لے چکی ہیں مثلاً :

1: نااہل لوگوں کا تقرر ایک سنجیدہ نوعیت کا مسئلہ ہے جو کہ عدل اجتماعی کی روح کے خلاف ہے۔ یعنی جب نااہل لوگ اہم عہدے پر تعینات ہوں گے تو ان کی بنائی ہوئی پالیسیز بھی کسی قابل نہیں ہوں گی اس کا یہ مطلب نہیں کہ صد فیصد نااہل لوگوں کا تقرر ہوتا ہے مگر سفارش اور سیاسی تعلقات کی بنا پر تقرریوں کو خارج از بحث قرار نہیں دیا جاسکتا۔

2: فنڈز کی کمی بھی ایک مسئلہ ہے حکومت کی طرف سے اس محکمہ کو خاطر خواہ رقوم نہیں ملتیں جس کی وجہ سے یہ محکمہ پوری طرح اپنی ذمہ داریاں نہیں نبھا پاتا۔ دنیا کے باقی ممالک میں ترقی و فلاح کے لئے تعلیم کی بنیادی حیثیت کا ادراک کرتے ہوئے (Do or die) کی بنیاد پہ دی جاتی ہے یعنی ان کی بنیادی ترجیحات میں یہ شامل ہے جبکہ ہمارے ہاں ابھی تک اس کو ترجیحی بنیادوں پہ لیا ہی نہیں جارہا ہے۔

3: کرپشن یا مالی بدعنوانی بھی ایک مسئلہ ہے بڑے شہروں کو چھوڑ کر گاؤں اور دور دراز کے علاقوں میں سکولوں کے نام پر فنڈز اور رقوم تو لے لی جاتی ہیں مگر وہ سکول صرف کاغذوں پہ ہی موجود ہوتے ہیں اور اصل میں ان کی حیثیت (G.School) کی ہی رہ جاتی ہے یعنی نہ تو سکول کی عمارت نہ ہی شاگرد ہوتے ہیں مگر عملہ تنخواہیں اور مراعات حکومت سے وصول کرتا رہتا ہے ملک و قوم مستقبل کے ساتھ قدر سنگین مذاق ہے۔

4: بہت سی جگہوں پر سکولوں میں وہاں کے بااثر افراد کی حکمرانی ہوتی ہے اپنی مرضی کے اساتذہ کا تقرر کرانا پھر ان سے اپنی مرضی کے کام کرانا عام بات ہے۔ اس کے علاوہ کئی جگہوں پر تو سکول کی عمارتوں کو اپنے ذاتی مقاصد کے لئے استعمال کیا جاتا ہے کسی نے اپنے جانور باندھنے کے لئے اس عمارت کو باڑہ بنالیا تو کسی نے ذاتی بیٹھک بنالی اور کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔

5: تربیت یافتہ اساتذہ کی بھی کمی ہے اول تو اساتذہ کی تربیت کے لئے خاطر خواہ انتظامات نہیں مزید یہ کہ ان کی بھرتیوں میں رشوت اور سفارش کا عنصر موجود ہے۔ ایک اور پہلو یہ ہے کہ گذشتہ دو دہائیوں سے ہمارے نظام تعلیم میں پرائیویٹ سیکٹر کی شمولیت بھی ہے جس کے کافی اچھے نتائج و اثرات بھی ہیں مگر بیک وقت اس کے

منفی اثرات بھی ہیں مثلاً یہ بہت مہنگا نظام تعلیم ہے اور زیادہ تر اس کا نصاب ہماری دینی و قومی تعلیمات سے نابلد ہے اس شعبے میں بہت سے بہتری کے اقدمات کرنے کی ضرورت ہے۔

2: محکمہ پولیس وجیل خانہ جات:

بیرونی خطرات سے سرحدوں کی حفاظت کے لئے تو فوج ہے اسی طرح داخلی امن کے لئے پولیس کا محکمہ ہوتا ہے جو عوام کو ایسے تمام عناصر سے تحفظ دے جو اس کی جان، مال اور عزت کے درپے ہوں چوروں، ڈاکوؤں، راہزنوں اور ہر قسم کے اوباشوں سے عوام کو تحفظ دینا پولیس کا اولین فرض ہے۔ اسی طرح صیغہ امن و حفاظت کے ضِمن میں جیل خانہ جات ہوتی ہیں تاکہ جو کوئی زمین میں فساد پھیلائے اور جس سے نقص امن کا خطرہ ہو ایسے افراد کو لوگوں سے الگ رکھا جائے اور معاشرہ کو ان کے شر سے بچایا جائے ارشاد ربانی ہے:

﴿إِنَّمَا جَزَاء الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الأَرْضِ فَسَادًا أَن يُقَتَّلُواْ أَوْ يُصَلَّبُواْ أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم مِّنْ خِلافٍ أَوْ يُنفَوْاْ مِنَ الأَرْضِ ذَلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾[9]

"جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول سے لڑائی کریں اور ملک میں فساد کرنے کو دوڑتے پھریں ان کی یہی سزا ہے کہ قتل کر دیئے جائیں یا سولی چڑھا دیئے جائیں یا ان کے ایک ایک طرف کے ہاتھ اور ایک ایک طرف کے پاؤں کاٹ دیئے جائیں یا ملک سے نکال دیئے جائیں یہ تو دنیا میں اُن کی رسوائی ہے اور آخرت میں اُن کیلئے بڑا (بھاری) عذاب (تیار) ہے"

ان محکموں میں پائی جانے والی کچھ خرابیوں کا ذکر ذیل میں کیا جارہا ہے۔

1: بدقسمتی سے کرپشن اور رشوت کے ناسور نے یہاں بھی اپنے قدم جمار کھے ہیں، نااہل لوگوں کا تقرر اور رشوت ستانی نے ان اداروں کے مقاصد کو انتہائی سنجیدہ مقصان پہنچایا ہے۔

2: سیاسی بااثر رہنما اپنے علاقوں میں اپنی مرضی سے تعیناتیاں کراتے ہیں پھر ان افسران سے اپنی مرضی کے ناجائز کام بھی لیتے ہیں۔

3: پولیس صرف غرباء اور کمزور لوگوں پہ قانون کا دائرہ تنگ کرتی ہے جبکہ امراء اور بااثر افراد کے جرائم پہ رویہ یکسر مختلف ہوتا ہے۔

4: رشوت اور سفارش کی بنا پر ایف. آئی. آر ہی بہت کمزور کاٹی جاتی ہے اور کیس کا حلیہ ہی بگاڑ دیا جاتا ہے جس کے باعث مجرم باآسانی عدالت سے چھوٹ جاتا ہے۔

5: پولیس کا ایک عمومی رویہ یہ ہوتا ہے کہ وہ جرم کے وقوع پذیر ہو جانے کے بعد جائے واردات پر پہنچتی ہے۔

6: جو ایماندار پولیس افسران ہوں ان کو بااثر افراد ان کے فرائض سے عہدہ بر آ ہونے نہیں دیتے اور وہ ساری زندگی ٹرانسفر کے جال میں پھنسے رہتے ہیں۔

7: عام طور پہ عوام کے ساتھ پولیس کا رویہ بہت ناروا اور ہتک آمیز ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ لوگوں کی حفاظت پہ مامور ہیں مگر اس کے برعکس یہ عالم ہے کہ کوئی بھی شریف شہری اپنی جائز شکایت لے کر ان کے پاس جانے سے گھبراتا ہے۔

8: حکومت کی طرف سے ان کی تنخواہوں کا تناسب بھی کچھ مناسب نہیں ہے، نہ ہی ان کے لئے جدید ٹریننگ کا کوئی خاطر خواہ نظام ہے اور ان کے پاس جدید اسلحہ کی بھی شدید کمی ہے اسی کمزوری کا فائدہ تو دہشتگرد اٹھاتے ہیں اور ان کے جدید ہتھیاروں کے مقابلے میں ہماری پولیس بے بس نظر آتی ہے اور ہمارے اہلکار ان سے لڑتے ہوئے شہادت بھی پاتے ہیں اور المیہ تو یہ ہے کہ حکومت کی طرف سے ان کے خاندان کے لئے کچھ خاطر خواہ انتظامات تک نہیں کئے جاتے۔ سابقہ دور میں وزیر اعلیٰ پنجاب نے شہادت پانے والے اہلکاروں کے اہل خانہ کو کچھ مناسب رقوم دیتے رہے اور ان کی اس روش کی بنا پر دوسرے صوبوں میں بھی کسی حد تک اس روایت کو اپنایا گیا۔

9: ہمارے جیلوں کے انتظامات انتظامی طور پہ بہت ناقص ہیں۔ اور عملی طور پہ یہاں قیدیوں کے ساتھ وہ سلوک کیا جاتا ہے کہ بجائے مجرموں کی اصلاح کے جو مجرم نہ بھی ہوں وہ افراد بھی عادی مجرم بن کے جیل سے نکلتے ہیں۔

10: کوئی بااثر آدمی اگر جیل میں آ جائے تو اس کے اور باقی قیدیوں کے درمیان واضح طور پہ امتیازی سلوک برتا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں جیلوں میں اتنی گنجائش نہیں ہوتی جس تعداد سے وہاں مجرم ہوتے ہیں اس لئے بھی ان کی اصلاح کا کوئی خاطر خواہ انتظام نہیں ہو پاتا۔ حفاظتی اقدامات کے بھی بہت ناقص انتظامات ہیں۔ جیل کے اندر موبائل فونز با آسانی دستیاب ہیں، منشیات سر عام ملتی ہیں، مجرموں کے لئے فرار ہونا انتہائی آسان ہے ماضی میں اس طرح کے واقعات رونما ہوتے رہے ہیں ابھی حال ہی میں صوبہ خیبر پختونخواہ میں 29 جولائی 2013ء کو ڈیرہ اسمائیل خان جیل پر تقریباً 100 طالبان نے حملہ کیا اور 248 قیدیوں کو فرار کرا کے لے گئے ان میں سے 49 دہشتگردی کے جرائم میں ملوث تھے اس کے ساتھ ان لوگوں نے جاتے ہوئے 4 اہل تشیع قیدیوں کو قتل کر دیا۔ یہ کاروائی کوئی اڑھائی گھنٹے تک چلتی رہی مگر انھیں روکنے والا کوئی نہیں تھا بعد میں صوبائی حکومت اور انٹیلی جنس کے اداروں نے ایک دوسرے پہ الزامات لگانے شروع کر دیئے حالانکہ انٹیلی جنس کے لوگوں نے اس کے متعلق ایک رپورٹ مرتب کر کے وفاقی اور صوبائی حکومت کو بھیج دی تھی۔

3: محکمہ مالیات:

مالیات کے صحیح نظام آمد اور خرچ میں توازن حکومت کا اہم عنصر ہے یا قومی خزانہ پر مضبوطی ہی حکومت کی ترقی کی بنیاد ہے اور اس محکمے کے فکر سے حکومتی کارکردگی سامنے آتی ہے کہ ان کی آمدن اور خرچ میں توازن کیا

ہے۔ بیت المال، حکومت کی ان تمام آمدنیوں کا حامل ہوتا ہے جو اسلامی احکام کے مطابق سرکاری خزانہ میں داخل ہونی چاہئیں اسی طرح وہ ان تمام مصارف کا بھی کفیل ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے ہاں ہر نئی آنے والی حکومت ہمیشہ عوام کو یہی خبر دیتی ہے کی حکومتی خزانہ بالکل خالی پڑا ہے بہر حال حکومتی کارکردگی کو جانچنے کا یہ ایک بنیادی ڈھانچہ ہے۔

☆تجاویز و حل:

انتظامیہ کے تحت اور بھی بہت سے محکمے آتے ہیں جو کہ پورے نظام معاشرت کے ہر حصہ کے لئے فعال ہیں اور ان تمام شعبوں میں جو بھی کجیاں یا کمیاں پائی جاتی ہیں ان سب کا حل اسلام کے تصور عدل اجتماعی میں موجود ہے اور اسلامی نظام معاشرت میں اس تصور کے کامل اطلاق سے ہی ان محکموں کو درست انداز میں فعال بنایا جاسکتا ہے عدل اجتماعی کے تناظر میں کچھ تجاویز کا تذکرہ ذیل میں دیا جارہا ہے جن سے مسائل پہ قابو پایا جاسکتا ہے۔

1: اسلام میں سرکاری مناصب کا تصور:

اسلام مناصب کو ایک امانت قرار دیتا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان لوگوں کے لئے امانت ہوتے ہیں جو کہ عام افراد کے معاملات کے نگران بنائے گئے ہیں ارشاد الٰہی ہے:

﴿إِنَّ اللّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤدُّواْ الأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُواْ بِالْعَدْلِ﴾[10]

"اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں اُن کے حوالے کر دیا کرو اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کیا کرو۔"

مفسرین کرام کے نزدیک اس آیت مبارکہ میں لفظ امانات سے مراد عام ہے یعنی وہ سب حقوق جو تمھارے ذمے واجب ہوں خواہ ان کا تعلق حقوق اللہ سے ہو یا حقوق العباد سے ہو سو، ان سب کے ادا کرنے کا حکم ہے لفظ امانات میں تمام فرائض خواہ وہ انفرادی نوعیت کے ہوں یا اجتماعی نوعیت کے ہوں شامل ہیں اور ان کی ادائیگی اپنوں اور غیروں کی تفریق کئے بنا لازم ہے یہ فرائض مالی معاملات کے متعلق ہاں یا سیاسی قسم کے ہوں الغرض تمام حقوق و فرائض کی ادائیگی امانات میں شامل ہیں ان سب کو ادا کرنا ہی مامور و مطلوب ہے اہل ایمان کا تقاضا ہے کہ وہ اپنے ذمہ تمام فرائض ادا کریں۔ آیت کے دوسرے حصے میں تمام لوگوں کے ساتھ عدل و انصاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے کسی بھی قسم کی جانبداری کے بغیر صاحب حق کو اس کا پورا پورا حق ادا کرنا لازم ہے۔ آپ ﷺ کی حیات طیبہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ فرائض کی ادائیگی اور امانتوں کو سپرد کرنے میں کس قدر تاکیدی وریہ رکھتے تھے۔ "حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص حکومت کی ذمہ داریوں کو مناسب صورت میں تقسیم نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ اور ان کے رسول ﷺ اور مسلمانوں کے حق میں اور ان کی امانت میں خیانت کرتا ہے"۔

عدل اجتماعی کے فلسفے کے مطابق سرکاری مناصب حصول جاہ اور کسب دنیا کے لئے نہیں ہوتے جو شخص جاہ و حشمت اور کسب دنیا کے لئے خواہش کرتا ہے تو وہ اس عہدہ کا اہل نہیں۔ خلیفہ یا سربرہ مملکت کا یہ فرض ہے کہ وہ تمام عہدوں پہ تعیناتی کرتے ہوئے اس فلسفہ کو مد نظر رکھے مزید یہ کہ سرکاری مناصب پر تقرری کے لئے الامثل فالامثل (خوب سے خوب تر) کا اصول ہونا چاہیئے یعنی ان لوگوں کی تقرری کی جائے جو معاشرہ میں بہترین اشخاص ہوں ایک قول یہ ہے کہ "جس نے مسلمانوں کے کسی گروہ کا ایسے شخص کو قائد بنادیا کہ اس گروہ میں اس سے زیادہ بہتر شخص موجود ہے تو اس نے اللہ تعالیٰ اور ان کے رسول ﷺ اور عام مسلمانوں سے غداری کی"۔

2: حسن عمل، خیر خواہی اور شفقت:

وہ حکام اسلامی نظام کی مشینری کے اچھے پرزے نہیں بن سکتے جو اپنے اعمال، کردار میں حسن، خوبصورتی نہیں رکھتے معاشرے کی درستگی کا مناسب انتظام نہیں کرتے اس درستگی کے لئے حکام کا نیک نمونہ نہایت ضروری ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ﴾[11]

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم کیوں وہ بات کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو۔"

اس آیت میں دیا جانے حکم تو عمومی ہے اور یہ انسان کے اجتماعی کردار کے لئے ہے کہ انسان اپنی زندگی کے جس شعبے میں بھی جو کام کرے وہ پوری ایمانداری کے ساتھ کرے اور اس کے قول و فعل میں کسی قسم کا کوئی تضاد نہ ہو اور خاص طور پہ ایسے افراد جو لوگوں کے امور کے ذمہ دار بنادیئے گئے ہوں ان کا ذاتی کردار شیشے کی طرح صاف اور شفاف ہونا چاہیئے تاکہ ان کا کردار لوگوں کے لئے ایک قابل تقلید نمونہ ہو اور کوئی ان کے کردار پہ انگلی نہ اٹھا سکے۔ حضرت علیؓ نے حضرت عمر فاروقؓ سے ایک مرتبہ فرمایا:۔ "کہ آپؓ خود دیانت دار ہیں اس لئے آپ کی رعایا بھی دیانت دار ہے اگر آپ خود بد دیانت ہوتے تو لوگ بھی بد دیانت بن جاتے"۔ اپنے ذاتی کردار کی درستگی کے بعد سب سے اہم چیز عدل ہے۔ عدل اسلامی حکومت کے نظام میں ریڑھ کی ہڈی کی سی حیثیت رکھتا ہے اسی لئے حکام، حکومتی افسران کو عادل ہونا نہایت ضروری ہے ارشاد ربانی ہے:

﴿وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُواْ بِالْعَدْلِ﴾[12]

"اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کیا کرو"

عدل کے بعد عوام کے حق میں خیر خواہی، شفقت اور نرمی کے جذبات بھی حکام، افسران کے لئے ضروری ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

((ما من عبد استرعاه الله رعيته فلم يحطها بنصيحة الا لم يجد رائحة الجنة))[13]

کوئی شخص نہیں جسے اللہ تعالیٰ کسی رعیت کا حاکم بنائے اور وہ خیر خواہی کے ساتھ اس کی نگہبانی نہ کرے مگر وہ جنت کی خوشبو نہ پائے گا۔"

مزید فرماتے ہیں کہ "اے اللہ تعالیٰ جو شخص میری امت کے لوگوں کے کسی معاملہ کا ذمہ دار بنایا جائے اور وہ ان کو مشقت میں ڈالے تو تُو بھی اسے مشقت میں ڈال اور جو ان کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرے تو تُو بھی اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ فرما"

3: نرمی سے کام لینا اور تنقید کی حوصلہ افزائی:

نرمی اور بردباری ایک ایسا خلق ہے جو حکام اور افسران کو عوام کی نظر میں محبوب بنا دیتا ہے اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت حلیم (بردبار) ہے قرآن کریم حضرت ابراہیمؑ کے متعلق کہتا ہے:

﴿إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَحَلِيمٌ أَوَّاهٌ مُّنِيبٌ﴾[14]

"بے شک ابراہیم بڑا حلیم اور نرم دل آدمی تھا۔"

نبی کریم ﷺ کے متعلق آتا ہے:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّهِ لِنتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لاَنفَضُّواْ مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الأَمْرِ﴾[15]

"(اے محمد ﷺ!) اللہ کی مہربانی سے تمہاری اُفتادِ مزاج ان لوگوں کے لئے نرم واقع ہوئی ہے اور اگر تم بدخو اور سخت دل ہوتے تو یہ تمارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے، تو اُن کو معاف کر دو اور اُن کیلئے (اللہ سے) مغفرت مانگو اور اپنے کاموں میں اُن سے مشورہ لیا کرو"

ان تعلیمات کی بنا پر عدل اجتماعی اسلامی نظام معاشرت کے حکمران اور مقتدر طبقے کو اخلاقی طور پہ اس بات کا پابند بناتا ہے کہ وہ عوام کی طرف سے نکتہ چینی کی حوصلہ افزائی کریں جس سے:

1: تاکہ ان کی کمزوریاں سامنے آسکیں اور وہ اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں۔

2: اس سے عوام کے اندر محاسبہ کرنے کی جرت پیدا ہو جائے گی۔

3: عوام اور حکمران کے درمیان ایک رابطہ قائم ہو جائے گا۔

4: حکام خوشامدی ٹولے کے چنگل سے نکل کے کج روی سے بچے رہیں گے۔

5: قانون شکنی کا راستہ مسدود ہو جائے گا۔

4: غصہ اور سازشوں سے احتراز:

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾[16]

"اور غصے کو روکتے اور لوگوں کے قصور معاف کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کو دوست رکھتا ہے۔"

غصہ تو ایک ایسی اخلاقی برائی ہے جو زندگی کے ہر شعبے میں انسان کو نقصان پہنچاتی ہے اس سے انسان دوسروں سے دور ہوتا جاتا ہے اور باہمی الفت تو ایک طرف لوگ ایسے شخص سے بات تک کرنا گوارا نہیں کرتے چاہے اس

میں اور کتنی ہی اچھائیاں کیوں نہ ہوں۔ تبھی اس سے بچنے کی تلقین کی گئی حضرت علیؓ نے فرمایا کہ "پہلوان وہ نہیں جو مخالف کو پچھاڑ دے بلکہ پہلوان وہ ہے جو اپنے غصے کو پی جائے"۔ اور حکمران طبقے کے لئے تو اور بھی ضروری ہے کہ وہ اس سے بچیں کیونکہ ان کی ذات سے سب لوگوں کے حقوق فرائض اور مفادات وابستہ ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ سازشوں اور ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے جیسی اخلاقی برائیوں سے بچنے کی تلقین کی گئی کیونکہ اس سے باہمی الفت، محبت کی جگہ نفرت، عداوت لے لیتی ہے ارشادِ الٰہی ہے:

﴿اسْتِكْبَارًا فِي الْأَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ فَهَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا سُنَّتَ الْأَوَّلِينَ فَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَبْدِيلًا وَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَحْوِيلًا﴾[17]

"یعنی (انہوں نے) ملک میں غرور کرنا اور بُری چال چلنا (اختیار کیا) اور بُری چال کا وبال اس کے چلنے والے ہی پر پڑتا ہے یہ اگلے لوگوں کی روش کے سوا اور کسی چیز کے منتظر نہیں سو تم اللہ کی عادت میں ہرگز تبدیلی نہ پاؤ گے اور اللہ کے طریقے میں کبھی تغیر نہ دیکھو گے"

5: باہمی اعتماد، تعاون اور خبر گیری:

انسانی معاشروں کے تمام کام باہمی اعتماد، تعاون سے چلتے ہیں اگر ایک دوسرے پہ اعتماد اٹھ جائے تو معاشرتی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے ارشادِ ربانی ہے:

﴿فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُم بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ اللّهَ رَبَّهُ﴾[18]

"اور اگر کوئی کسی کو امین سمجھے تو امانتدار کو چاہئیے کہ صاحبِ امانت کی امانت ادا کر دے۔ اور اللہ جو کہ اُس کا رب ہے اُس سے ڈرے"

حکام حکومت کی مشینری کے کل پرزے ہوتے ہیں اگر ان کے اور عوام کے درمیان باہمی تعاون کا رشتہ ختم ہو جائے تو حکومت کی مشینری بالکل جامد ہو جائے گی ادشادِ ربانی ہے:

﴿وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُوْلَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾[19]

"اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہئیے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائی اور اچھے کام کرنے کا حکم دے اور بُرے کاموں سے منع کرے۔ یہی لوگ ہیں جو نجات پانے والے ہیں۔"

عدل اجتماعی کی رو سے عوام کی خبر گیری ہی حکومت کا اہم ترین مقصد ہے اور اسی لئے وہ مختلف شعبے اور محکمے قائم کرتی ہے جن کے ذریعے یہ کام لیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں حضرت عمر فاروقؓ کا دور ایک مثالی دور ہے جس میں وہ خود بھی راتوں کو جاگ کر گلیوں میں گشت کیا کرتے تھے کہ عوام کی خبر گیری رکھیں اور اپنے عمال کو بھی سختی سے ہدایات دیتے کہ عوام کی خبر گیری کرتے رہا کرو اور ان کی شکایات کو دور کرو۔

حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ "اگر میں زندہ رہا تو تمام ملک کا دورہ کروں گا اور رعایا کے حالات معلوم کروں گا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ لوگوں کی بعض ضروریات ایسی ہیں جو مجھ تک پہنچ نہیں پاتیں اور لوگ خود مجھ تک آ نہیں سکتے جبکہ عمال ان کی ضروریات کو میرے علم میں نہیں لاتے"

6: اقرباپروری، تحفے لینا اور رشوت لینے سے احتراز:

اپنے عہدوں سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اقربانوازی حکام کی بدترین خصلت ہے ایسا حاکم نہ تو اللہ تعالیٰ کے ہاں سرخرو ہو سکتا ہے اور نہ ہی عوام میں پسندیدہ نگاہ سے دیکھا جاتا ہے جو حکومت کے خرچ پہ اقرباپروری کرتا ہے یا انھیں مختلف عہدوں پر بٹھاتا ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے بعد میں ہونے والے خلیفہ کے انتخاب کے لئے جو مجلس شوریٰ تشکیل دی اس کے ارکان کو سب سے پہلی یہ ہدایت فرمائی کہ وہ خلیفہ بن جانے کے بعد اپنے اقرباء کو دوسرے مسلمانوں کی گردنوں پر سوار کریں۔ سرکاری عہدیداران کے لئے ہرگز یہ جائز نہیں ہے کہ وہ عوام سے کسی بھی قسم کے تحفے یا ہدیئے قبول کریں کیونکہ رشوت پیش کرنے اور قبول کرنے کا یہ ایک چور دروازہ ہے ارشاد نبوی ﷺ ہے: "عمال کا ہدیہ قبول کرنا خیانت ہے"۔ رشوت انسان کو حق اور عدل کی راہ سے بہت دور لے جاتی ہے آپ ﷺ نے فرمایا: (الراشی والمرتشی فی النار) "رشوت لینے والا اور دینے والا دونوں جہنمی ہیں"۔

7: ثابت قدمی اور سچائی:

جھوٹ تمام برائیوں کی جڑ ہے اسلام نے اس سے بچنے کی تاکید کی ہے انفرادی زندگی کے ساتھ ساتھ اجتماعی زندگی میں تو اس ہدایت کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے اور حکومت کے ہر رکن کے لئے اس صفت کا ہونا لازم ہے کہ وہ قطعی جھوٹ نہ بولے اور صداقت کو اپنا شعار بنائے ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ﴾[20]

"جھوٹی باتوں سے پرہیز کرو۔"

﴿وَلاَ تَلْبِسُواْ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُواْ الْحَقَّ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾[21]

"اور حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ اور سچی بات کو جان بُوجھ کر نہ چھپاؤ۔"

ایک حاکم اور سرکاری افسران کو ثابت قدم، مستقل مزاج اور بلند ہمت ہونا چاہیئے ارشاد ربانی ہے:

﴿وَاصْبِرْ عَلَى مَا أَصَابَكَ إِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ﴾[22]

"اور جو مصیبت بھی پڑے اس پر صبر کرے یہ وہ باتیں ہیں جن کی بڑی تاکید کی گئی ہے۔"

کیونکہ حکمرانوں پہ بہت سے کٹھن وقت آتے ہیں بعض دفعہ اندرونی اور بیرونی خطرات بہت بڑھ جاتے ہیں اور بعض دفعہ قدرتی آفات ریاست کو ہلا کر رکھ دیتی ہیں تو ان حالات میں اگر حکمران ہی ہمت ہار جائیں گے تو عوام کا پرسان حال کون ہو گا۔ ہر حالت میں اللہ تعالیٰ پہ کامل توکل اور استقامت حکام کا شعار ہونا چاہیئے۔

8: دین کی اشاعت:

عدل اجتماعی کے فلسفے کی رو سے اسلامی حکومت کا اصل مقصد دین کی اشاعت کرنا اور اس کی تعلیمات دینا ہے۔ اس وجہ سے اسلامی حکومت کے حکمران و عمال کا صرف یہ فرض نہیں ہے کہ وہ دفتری کاموں میں ہی مقید ہو کہ رہ جائیں بلکہ ان کا اہم فریضہ یہ بھی ہے کہ وہ لوگوں کو دین سکھائیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُوْلَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾[23]

"اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہئیے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائی اور اچھے کام کرنے کا حکم دے اور بُرے کاموں سے منع کرے۔ یہی لوگ ہیں جو نجات پانے والے ہیں۔"

اس آیت کریمہ میں امت محمدیہ پہ یہ فرض قرار دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خصوصی کرم سے انھیں جس روشن ہدایت سے نوازا ہے وہ اس ہدایت کی دعوت کو عام کریں اور خصوصی طور پہ اسلامی حکومت کے ہر کارکن کا یہ فرض ہے کہ لوگوں کو دین کی تعلیم دیں۔ آپ ﷺ نے اپنے عمال کو جو نامۂ مبارک وقتاً فوقتاً لکھے تھے ان میں بھی انھیں دین کی اشاعت کی تلقین کی گئی ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ نے ایک خطبہ میں فرمایا: "اے اللہ تعالیٰ میں آپ کو اپنے عمال پہ گواہ ٹھہراتا ہوں میں نے ان کو صرف اس لئے مقرر کیا ہے کہ وہ لوگوں کو ان کا دین اور ان کے نبی ﷺ کی سنت سکھائیں، ان کے اندر عدل قائم کریں، فی تقسیم کریں اور اگر ان کو کوئی مشکل پیش آجائے تو میرے سامنے پیش کر دیں۔"

اسلامی ریاست کے حکمرانوں کا طرزِ عمل ایسا ہونا چاہیئے کہ جو اپنے آپ میں ہی ایک تبلیغ ہو اور اغیار اسے دیکھ کر ہی دین کی حقانیت کو تسلیم کرنے پہ مجبور ہو جائیں جیسا کہ دور نبوی ﷺ اور خلافت راشدہ میں ایسا تھا اور بعد کے ادوار میں بھی جب جب اچھے مسلمان حکمران برسر اقتدار آئے تو تاریخ میں روشن اور قابل تقلید مثالیں چھوڑ کے گئے۔

نتائج: (Conclusion)

عصر حاضر کا سب سے اہم اور حساس مسئلہ عدل اجتماعی کا نہ ہونا ہے قومی اور بین الاقوامی سطح پر اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔ عملی اعتبار سے بین الاقوامیت کے دو اہم ستون ہیں ایک بے لاگ انصاف، دوسرے معاہدات کی پابندی ہے اگر یہ کہا جائے کہ بین الاقوامیت کی عمارت کے قیام وبقا کا سارا دارومدار ان ہی دو ستونوں پر ہے تو اس میں ذرہ برابر بھی مبالغہ نہ ہو گا لیکن یہ بات افسوس سے کہنی پڑتی ہے کہ موجودہ مادی بین الاقوامیت نے یہی نہیں کہ دونوں کو کوئی پائیداری نہیں بخشی بلکہ ان میں ایسے مہیب قسم کے شگاف ڈال دیئے ہیں کہ کچھ کہا نہیں جاسکتا کہ یہ عمارت کب زمین پر آپڑے گی۔ اسلامی قانون کا مقصد یہ ہے کہ معاشرے میں امن وعافیت اور نظم و

نسق کی فضا طاری رہے۔ ہر شخص کو اس امر کی ضمانت دی جاسکے کہ وہ اپنے حق کے مطابق بغیر کسی خوف کے لطف اندوز ہو سکتا ہے اور دوسرے لوگوں کو حقوق اور مراعات سے متعلق خلاف ورزیوں سے روکا جاسکے انہی مقاصد کی خاطر احضور نبی کریم ﷺ تمام عمر کوشاں رہے اور آپ ﷺ نے اس ضابطہ قانون کے بنیادی اصول مرتب کر دیئے۔ احکام اِلٰہی کی روشنی میں ان اصولوں کی مطابقت کے ساتھ آئین تیار کرنے کا کام بعد میں آنے والوں کے لئے اٹھا رکھا تا کہ وہ ان کے زمانے کی حالت کے مناسب ہو اور ان کی احتیاج پوری ہو سکے۔

تجاویز وسفارشات:(Recommendations)

قانونی وانتظامی عدم استحکام کے ممکنہ حل کے ضِمن میں اس تحقیقی جائزہ میں چند تجاویز وسفارشات پیش کی گئی ہیں اگر ان گزارشات پر عمل کیا جائے تو مفید نتائج حاصل کیئے جاسکتے ہیں۔

مزید تحقیق کے لئے چند ممکنہ نکات:

اس موضوع کے متعلق مزید تحقیق کے لئے مندرجہ ذیل نکات زیر بحث لائے جاسکتے ہیں:

1: عدل اجتماعی کی اطلاقی نوعیتوں پر بحث کی جاسکتی ہے اس ضِمن میں معاشرے کے چار بنیادی عناصر کو زیر بحث لایا جاسکتا ہے مثلاً َمعاشرتی، معاشی، قانونی وانتظامی، عدالتی نوعیت پر عدل اجتماعی کی اطلاقی صورتوں کا جائزہ لیا جاسکتا ہے۔

2: عصری تناظر میں عدل اجتماعی کے ناپید ہونے کی بنا پر اطلاقی نوعیتوں کے عدم استحکام، اضمحلال کا جائزہ لیا جاسکتا ہے کہ معاشرے میں اس کے عدم وجود کے باعث کس طرح کے منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں مثلاً َان اثرات میں قانونی وانتظامی نقائص کے ساتھ معاشی پسماندگی، عدالتی ناکامیاں وغیرہ شامل ہیں۔

3: منفی اثرات کو ختم کرنے کے لئے عدل اجتماعی کے تناظر میں اسلامی نظام معاشرت کے ان تخصصات کو زیر بحث لایا جاسکتا ہے کہ جن کے عملی اطلاق کی صورت میں معاشرہ ترقی وفلاح کی راہ پر گامزن ہو سکتا ہے

حوالہ جات

[1] ڈاکٹر طاہر رضا بخاری، ترجمان القرآن (ماہنامہ)، احتساب، اپریل 2004ء

[2] غلام رسول چیمہ، پروفیسر، اسلام کا سیاسی نظام (لاہور، چوہدری غلام رسول اینڈ سنز پبلشرز، 2012ء) ص:128

[3] ابوالاعلیٰ، سیّد مودودی، اسلامی ریاست (لاہور: پاکستان، اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ، 1985ء) ص:292 تا 296 ملخصاً

[4] حوالہ ایضاً مذکور، ص:296

[5] المائدہ5:40

[6] المجادلہ58:20

[7] الشوریٰ42:38

[8] الزمر39:9

[9] المائدہ5:33

[10] النساء4:58

[11] الصف61:2

[12] النساء4:58

[13] بخاری، ابی عبداللہ محمد بن اسماعیل، امام، صحیح بخاری (دمشق: دار ابن کثیر، ط: الرابعہ، ج: الخامس، 1410ھ /1990ء)، کتاب الاحکام، باب:8، ح:6731، ص:2614

[14] ہود11:75

[15] آل عمران3:159

[16] آل عمران3:134

[17] فاطر35:43

[18] البقرۃ2:283

[19] آل عمران3:104

[20] الحج22:30

[21] البقرۃ2:42

[22] لقمان31:17

[23] آل عمران3:104